اردو ادبی تبصرہ نگاری کا سرخیل: مولانا الطاف حسین حالی

شکیل احمد

Abstract:

The study aims at presenting Molana Altaf Hussain Hali at first literary review writer of the Urdu literature.The research deals with the questions how Hali provided the base of review writting and his own role and place as a literary reviewer. Hali inspired the next generations of Urdu critics and writers through his review writings.He enlarged the canvas of review writing by differentiating between review and literary criticism. Hali describes that a book review a form of literary criticism in which a book is merely deseribed or analyzed based on content, style and merit. He is the very first man in Urdu literature who defined the role and function of a literary reviewer, it's artistic merit and duty of a reviewer.The readers can use to find subject and object approach in his review writing. In a nut shell, we can say that Hali can be considered as a leading figure of Urdu literary review writing and his literary impacts are till imprinted on the literary reviewrs of current era.

عہدِ سرسید ہیں تبصرہ نگاری کی روایت کے بیان میں زمانی حوالہ سے سرسید کا نام مقدم ہے تاہم تبصرہ نگاری کے آغاز کے ضمن میں مولانا الطاف حسین حالی کا نام ہے جس کو اردو ادبی تبصرہ نگاری میں اولیت کا درجہ حاصل ہے۔ اردو نظم و نثر کو تجدد بخشنے والے ادبا اور شعرا میں حالی کا نام نمایاں ہے۔ انھوں نے ایک طرف شاعری کو جدید عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے میں بھرپور کردار ادا کیا تو دوسری طرف نثری ادب بھی ان کا زیرِ بار احسان ہے۔ حالی جدید اردو تنقید کے بانی ہیں اور تنقیدی ادب میں "مقدمہ شعر و شاعری " کی حیثیت "بوطیقا " کی ہے۔ حالی نے تقریظ کے روایتی انداز سے گریز کرتے ہوئے "ریویو " کے جدید انداز تنقید کو اپنایا۔ ۱۸۵۷ء کی ناکام جنگ آزادی کے بعد سرسید تحریک کا اردو ادب پر غلبہ تھا۔ نظریاتی طور پر حالی بھی سرسید کے افکار و نظریات سے بہت متاثر

تھے۔ سرسید سے وابستگی محبت وعقیدت کی حد تک تھی اور یہ تادم آخر قائم رہی بلکہ یہ عقیدت وفاداری بشرط استواری اصل ایمان کی جیتی جاگتی تصویر تھی۔ عملی طور پر اس کا اثر یہ ہوا کہ ان کی شخصیت قدیم اور جدید کا حسین امتزاج بن گئی اور یہی تاثر ان کی تخلیقات میں بھی نمایاں ہوا۔ حالی بھی ادب برائے مقصد، اصلاح اور سوسائٹی کی فلاح کے قائل تھے۔ بقول ڈاکٹر عبدالقیوم: ''ان کے متعلق یہ خیال عام ہے کہ ان کے خیالات سرسید کے نظریات کی آواز بازگشت ہیں۔''[۱]

حالی حقائق سے چشم پوشی اور خیالی دنیا میں رہنے کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تقریظ کے روایتی انداز جس میں تعریف وتوصیف کا رنگ نمایاں تھا اور زمین وآسماں کے قلابے ملا دیے جاتے تھے ناپسند کیا۔ تقریظ کتاب کے بارے میں یک رخی تصویر تھی جس میں صرف مدح وتوصیف کے پہلو بیان کیے جاتے تھے جبکہ نقائص سے روگردانی کی جاتی تھی۔ حالی تنقید سے تعمیری کام لینے کے حق میں تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ادب کو زندگی کا آئینہ دار ہونا چاہیے اور حسن وقبح کے بیان میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ تخلیق میں موجود خصائص اور نقائص کا بیان مبصر کی ذمہ داری ہے۔ خصائص کی تعریف حوصلہ افزائی کے زمرے میں آتی ہے اور نقائص کی نشاندہی آئندہ کی تخلیقات کے لیے اصلاح کا ذریعہ بنتی ہے۔ مثبت اور منفی ہر دو حوالوں سے کسی فن پارے کو پرکھنے کے حوالے سے انگریزی میں تبصرہ "Review" کی صنف مروج تھی اردو میں بھی اس کے اثرات تبصرہ نگاری کی صورت مرتب ہوئے۔ مولانا الطاف حسین حالی کی ہمہ رنگ اور کثیر الجہت ادبی شخصیت کا ایک پہلو اولین تبصرہ نگار کا بھی ہے۔ انھوں نے اردو میں "ریویو" کو رواج دینے میں پہل کی۔ ان کے ہاں انگریزی الفاظ کو اردو میں استعمال کرنے میں کوئی تامل نہیں برتا جاتا اس لیے وہ انگریزی لفظ "Review" کا اردو میں کوئی متبادل لفظ نہیں لاتے بلکہ بعینہٖ "ریویو" استعمال کرتے ہیں۔ حالی نے بہت سی کتب پر "ریویو" لکھے جو مختلف اوقات میں ان کے ہم عصر رسائل وجرائد میں شائع ہوئے۔ مولانا اسماعیل پانی پتی نے حالی کے نثری سرمایہ کو "کلیات نثر حالی" کے نام سے دو جلدوں میں مرتب کیا جسے مجلس ترقی ادب کی طرف سے زیور طبع سے آراستہ کیا گیا ہے۔ کلیات نثر حالی جلد دوم میں مولانا الطاف حسین حالی کے تبصرے "تقریظیں" کے زیر عنوان شامل ہیں۔ لیکن حقیقت میں سوائے چند کے یہ سارے تبصرے ہیں جو مختلف رسائل وجرائد میں "ریویو" کے عنوان سے چھپ چکے تھے۔ ان میں جو چند تقریظیں ہیں وہ بھی تبصرہ کے رنگ میں ہیں اور ان کے لیے بھی الطاف حسین حالی اور خود فاضل مرتب نے "ریویو" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ پہلے ادبی مبصر کے طور پر انھوں نے اس صنف کی ابتدائی نشوونما اور فروغ میں بنیادی کردار ادا کیا۔

فن تبصرہ نگاری کے اصول وضوابط کے تعین میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ فن تبصرہ نگاری کے آغاز وارتقا میں حالی کا نام سرفہرست ہے۔ حالی کو اردو میں اولین تبصرہ نگار قرار دیتے ہوئے ڈاکٹر عبادت بریلوی لکھتے ہیں:

''تنقید کی طرح اردو میں تبصرہ نگاری کا آغاز بھی غدر کے بعد ہی ہوا۔ حالی نے سب سے پہلے

اس طرف توجہ کی۔ انھوں نے بہت سے تبصرے مختلف اخبارات و رسائل میں لکھے جو اب مقالات حالی میں شامل کر دیئے گئے ہیں۔''[۲]

مولانا الطاف حسین حالی نے جو تقریظیں لکھیں اگر چہ ان کے لیے بھی "ریویو " کا لفظ استعمال کیا اوران میں تبصرہ نگاری کے لوازمات بڑی حد تک موجود بھی ہیں تاہم یہ کتاب کے ساتھ ہی شائع ہوئیں تھیں اس لیے یہ تقریظ کے زمرے میں آتی ہیں۔تبصرے وہ ہیں جو کہ وقتاً فوقتاً علی گڑھ انسٹیوٹ گزٹ، رسالہ معارف، رسالہ مخزن اور دیگر ان کے ہم عصر اخبارات و رسائل میں شائع ہوئے، تبصرہ کے لوازمات ان میں موجود ہیں۔ چنانچہ بلاشبہ یہ "ریویو"یعنی "تبصرہ "ہی ہیں، تقریظ قطعاً نہیں ہیں۔اس حوالے سے ڈاکٹر جمیل جالبی مولانا الطاف حسین حالی کو اولین مبصر قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حالی اپنے ہم عصروں کی بابت کوئی سخت بات نہیں کہنا چاہتے۔اسے آپ ان کے تبصروں کی خامی کہہ سکتے ہیں۔مگر جہاں تک خود فنِ تبصرہ نگاری کا تعلق ہے حالی اس کی بھی بنیاد ڈال دیتے ہیں۔''[۳]

ڈاکٹر عبدالقیوم نے تقریظ اور تبصرہ کے کلیات نثر حالی میں شمول کے حوالہ سے لکھا ہے کہ " کلیات نثر حالی " کا دوسرا حصہ میں مولانا حالی کی تقریریں تقریظیں اور تبصرے شامل ہیں۔شیخ اسماعیل پانی پتی نے ہر تبصرے کے آغاز میں تعارف اور وضاحت کے لیے جو نوٹ لکھا ہے اس میں ''ریویو' ' کا لفظ ہی استعمال کیا ہے حالانکہ ریویو کا متبادل لفظ اردو میں تقریظ قطعاً نہیں ہے بلکہ "تبصرہ "ہی استعمال کیا جاتا ہے۔چنانچہ اس سے مراد تبصرہ ہی ہے۔ بہر حال جو مفصل تبصرے ہیں وہ کئی کئی صفحات پر مشتمل ہیں جبکہ مختصر وہ ہیں جو چند سطور یا ایک ڈیڑھ صفحے تک محدود ہیں۔ان تبصروں کے تجزیاتی مطالعہ سے ماقبل یہ جاننا ضروری ہے کہ حالی کا تبصرہ نگاری کے حوالہ سے نظریہ کیا ہے؟ اور مبصر سے وہ کیا توقعات رکھتے ہیں؟ حالی نہ صرف اولین تبصرہ نگار ہیں بلکہ فن تبصرہ نگاری پر اظہار رائے کرنے والوں میں بھی پیش پیش ہیں۔تبصرہ نگاری میں مبصر کے پیشِ نظر کن نکات کا ہونا ضروری ہے۔اس ضمن میں مولانا الطاف حسین حالی لکھتے ہیں:

''ریویو لکھنے میں شرط یہ ہے کہ وہ دیانت داری سے لکھا جائے......میرے نزدیک ریویو نگاری کا منصب صرف اس بات کا دیکھنا ہیکہ مصنف نے وہ فرائض، جن کو زمانے کا مذاق ہر نئی تصنیف میں اس طرح ڈھونڈتا ہے جس طرح پیاسا پانی کو کس حد اور کس درجے تک ادا کیے ہیں۔بس جب ہم کسی کتاب پر ریویو لکھ رہے ہیں ہم کو یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ مصنف کی رائے جزئیات مسائل میں فی نفسہ کیسی ہے، کیوں کہ اس بارے میں فیصلہ کرنا پبلک کا کام ہے نہ ریویو لکھنے والے کا۔ بلکہ یہ دیکھنا چاہے کہ کتاب کا عنوان بیان کیسا ہے؟ ترتیب کیسی ہے؟ طریق استدلال مذاق وقت

کے موافق ہے یا نہیں؟ اور کتاب لکھنے کی غایت کو جو مقتضائے وقت کے موافق ہونا چاہیے۔''[۴]

مذکورہ بالا اقتباس سے مولانا الطاف حسین کے تبصرہ نگاری کی غرض و غایت کے حوالہ سے خیالات واضح ہو جاتے ہیں۔مبصر کے لیے شرط اول دیانت داری ہے اور میزان کا قائم کرنا ہے کہ تخلیق کار نے وقتی تقاضوں کو کس حد تک ملحوظ خاطر رکھا ہے۔قارئین کا ذوق وہ پیاس اور تشنگی ہے جو مذکورہ تقاضوں سے ہم آہنگ کتاب کے مطالعہ سے بجھتی ہے۔مولانا حالی بطور ایک مبصر کے اپنا واضح اور مدلل نقطہ نظر رکھتے ہیں۔ان کے مفصل اور مختصر تبصروں کا تجزیاتی مطالعہ بالترتیب ذیلی سطور میں پیش کیا گیا ہے۔مفصل تبصرے وہ ہیں جن میں حالی نے مختلف کتب پر مفصل انداز میں قلم اٹھایا ہے، کتاب اور مصنف کا تعارف کروایا ہے اور زیرِ تبصرہ کتاب کے عنوان اور موضوع کی اہمیت وافادیت، زبان و بیان کا انداز اور دیگر افادی پہلوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ان تبصروں کی تعداد نصف درجن سے زائد ہے اور یہ کئی کئی صفحات پر مشتمل ہیں انھوں نے جن کتب پر تفصیلی انداز میں تبصرے کیے اور جو اردو ادبی تبصرہ نگاری کے آغاز وارتقا اور فروغ میں معاون ثابت ہوئے ان کی تفصیل درج ذیل ہے:"تاریخ ہندوستان" شمس العلما مولانا ذکا اللہ کی کتاب "تاریخ ہندوستان " تین حصوں پر مشتمل تھی اور سولہ جلدوں میں چھپی تھی۔کتاب کا دوسرا حصہ جو عہد اسلامیہ کے عنوان سے تھا مولانا الطاف حسین حالی نے اس پر ریویو لکھا جو علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں 1875ء شائع ہوا تھا۔بقول مولانا اسماعیل پانی پتی:''مولانا حالی کا یہ ریویو اس کتاب کے صرف دوسرے حصے یعنی عہد مسلمانان پر ہے جو 1875ء میں شائع ہوا تھا۔''[۵] حالی کے ریویو کا موضوع وہی حصہ ہے جو مسلم دور حکومت سے تعلق رکھتا ہے۔انھوں نے مولانا ذکا اللہ کی سخت کوشی کی تعریف کی کہ فارسی تاریخوں جن میں "تاریخ فرشتہ "اور "سید المتاخرین" جیسی جامعیت اس تاریخ میں پائی جاتی ہے۔تاریخی کتب سے اخذ استفادہ کہ مصنف نے اپنے ہم وطنوں کو گویا سینکڑوں کتابوں کے مطالعے سے مستثنیٰ کر دیا۔مختلف مسلم بادشاہوں کی طرف سے خلعت وانعام، درباری شان وشوکت، انداز حکمرانی، رسم ورواج پر یقین، درباریوں کے طور طریقے، رمال اور نجومیوں کے نیک ساعت بنانا جیسے قصوں کہانیوں کا انداز یکسر رد کرتے ہوئے اہل یورپ کی تاریخ نگاری کا پورا تتبع کیا گیا ہے۔ مولانا الطاف حسین تاریخ ہندوستان کے ان غیر معمولی خصائص پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:''ایشیائی تاریخیں قطعاً بےنصیب ہیں، ان کے لحاظ سے مشرقی تاریخوں میں یہ پہلی ہی کتاب ہے جس میں یورپ کے روشن مورخوں کا پورا پورا تتبع کیا گیا ہے۔''[۶]

کتاب کے موضوع اہمیت ان کے خیال میں اس حوالے سے زیادہ ہے کہ یورپ کے مورخوں نے مسلم بادشاہوں کو ہدف ملامت بنا رکھا ہے اور تعصب کی بنا پر محاسن کو بھی نقائص کی صورت بیان کیا ہے۔تبصرہ میں حالی نے مصنف کی تعریف کئی حوالوں سے مدلل انداز میں کی ہے۔تاریخ ہندوستان کا دیگر لکھی گئی تاریخوں سے موازنہ کیا ہے۔بالخصوص الفنسٹن کی تاریخ جس کا اردو میں ترجمہ سائنٹفک سوسائٹی نے کروایا۔انھوں نے الفنسٹن کی لکھی گئی

تاریخ پر تاریخ ہندوستان کو اس لیے فوقیت دی کہ مادری زبان میں لکھنے والا یقینی طور پر زبان و ادب اور دیگر امور کو غیر قوم یا غیر ملک سے بہتر بیان کر سکتا ہے۔ الفنسٹن کی تاریخ پر تعصب کا الزام بھی ہے چنانچہ اس کو ہندوستان کی واقفیت کا درست ذریعہ نہیں مانا جا سکتا۔

تبصرہ میں حالی کے پیشِ نظر موضوع کی اہمیت اس نقطہ نظر سے ہوتی ہے کہ کتاب عصری ضرورتوں کو کس حد تک پورا کرتی ہے۔ ملک وقوم کے لیے کس حد تک سودمند ہے ان تمام امور کے پیشِ نظر ہی وہ کتاب کے مقام و مرتبہ کا تعین کرتے ہیں۔ تنقیص اور قبح کے پہلوں پر بھی وہ واضح انداز میں اظہار خیال کرتے ہیں کہ "تاریخ ہندوستان" میں مسلم حکمرانوں پر لگائے گئے الزامات سے یکسر انکار کر دیا گیا۔ مبصر کے خیال میں اہل یورپ کے مورخین نے اکثر تعصب اور جانبداری کا مظاہرہ کیا ہیاور مسلم حکمرانوں کے مطاعن میں افراط وتفریط کا شکار ہیں۔ حالی کے خیال میں ہمارے مورخین کیسی ہی طرف داری کریں عیبوں کا بیان کسی حد تک تو ہوتا ہی ہے اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو ہم راستی سے ہاتھ اٹھا رہے ہوتے ہیں۔

''نظم المما لک'' عربی زبان کی کتاب ہے جس کے مصنف افریقہ کے عربی ملک ٹیونس کے وزیر السلطنت سید خیر الدین احمد ہیں۔ کتاب کا اردو ترجمہ مولوی اسماعیل ایڈیٹر اخبار سائنٹیفک سوسائٹی نے کیا۔ مولانا الطاف حسین حالی کا اس کتاب پر ریویو کے علی گڑھ انسٹیوٹ گزٹ میں چھپا۔ عالمانہ اور محققانہ انداز میں لکھی گئی اس کتاب کا موضوع یورپ کی قابل ستائش باتوں سے مسلمانوں کا مستفید ہونا ہے۔ مولانا اسماعیل پانی پتی کے خیال ہیں:

> ''اس کے طویل مقصد میں سارا زور اس بات پر دیا گیا ہے کہ یورپ کی جو باتیں عمدہ اور قابل ستائش ہیں وہ اپنی بہتری اور ترقی کے لیے اختیار کر لینی چاہییں اور جو عادتیں فضول اور لایعنی ہیں ان سے کنارہ کشی کرنی چاہیے۔''[۷]

مولانا الطاف حسین حالی نے کتاب سے گہری دلچسپی کی بدولت اول تا آخر مطالعہ کے بعد اس ترجمہ کی اشاعت کو اہل ہندوستان کے حق میں از حد سودمند قرار دیا۔ انھوں نے روشن ضمیر عالم سید خیر الدین احمد وزیر سلطنت ٹیونس کے جذبے اور قومی ہمدردی اور خیر خواہی کی کھل کر داد دی۔ ٹیونس کا تعارف جغرافیہ اور حدود اربعہ بھی قارئین کی سہولت کے لیے بیان کیا گیا ہے۔ اہل وطن کے لیے اس کتاب کی اہمیت وافادیت کئی پہلوں سے بہت زیادہ ہے۔ حالی تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''ہمارے ہم وطنوں کے لیے عموما اور ہمارے بھائی مسلمانوں کے لیےخصوصا اس مقدمے کا ایک ایک جملہ ناصح مشفق اور ہادی برحق کا کام دیتا ہے...... ہماری قوم بہت کچھ عبرت حاصل کر سکتی ہے کیونکہ جس تعصب نے ان کو یہ روز سیاہ دکھایا اور اس پستی اور تنزل کی حالت کو پہنچایا ہے۔ یہ مضمون اس کی جڑ کاٹنے والا ہے۔''[۸]

تبصرہ نگاری میں حالی کے پیشِ نظر ادب برائے مقصد اور اصلاح کا پہلو نمایاں ہوتا ہے اور وہ کلی طور پر کتاب کا جائزہ اسی تناظر میں لیتے ہیں۔ ''نظم الممالک'' کتاب سے اس قدر متاثر ہیں کہ وہ اپنے ملک اور قوم کے لیے اس کو پہلی کتاب قرار دیتے ہیں جس نے شائستگی کے دروا کر دیے ہیں۔ نواب ضیا الدین احمد خاں صاحب بہادر رئیس لوہارو کے اس لیے ممنون ہیں کہ انھوں نے یہ کتاب سرسید احمد خاں کو بھجوا کر ترجمہ کی تحریک دی تھی۔ مترجم کی لیاقت اور ادبی صلاحیتوں کا بیان کرتے ہوئے مبصر لکھتے ہیں: ''اس کا لکھنے والا وہ ذی لیاقت شخص ہے جس کے اہتمام سے سائنٹفیک سوسائٹی علی گڑھ کا عدیم النظیر اخبار نکلتا ہے۔''۹ زیرِ تبصرہ کتاب کے موضوع اور دیگر متعلقہ امور کے علاوہ حالی اپنے تبصرہ میں مصنف یا مترجم کی شخصیت بیان کرنا بھی اہم گردانتے ہیں۔ "نیرنگ خیال" جو مولانا محمد حسین کے رمزیہ اور تمثیلی مضامین کا مجموعہ جو کتابی صورت میں دو جلدوں میں شائع ہوا تھا۔ مولانا الطاف حسین حالی نے اس کتاب کے حصہ اول پر ریویو لکھا جو علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۱۸۸۰ء میں شائع ہوا۔ یہ تبصرہ مفصل ہے حالی نے کتاب کے موضوع کی اہمیت کو آغاز میں بیان کیا ہے۔ کتاب کے مصنف مولانا محمد حسین آزاد کی فصاحت و بلاغت اور ندرت بیان کی دلکشی اور جاذبیت کو ان کے اسلوب کا خاصا قرار دیا ہے۔ ملک و قوم کا فخر ایسے ادبا اپنے ہنر و کمال سے ملک و قوم کو منور کرنا چاہتے ہیں۔ عہدِ سرسید میں اردو انشا پر خصوصی توجہ دی جاتی تھی۔ چنانچہ تبصرے میں حالی نے کتاب کو اردو انشا کی تنگ دامانی کو وسعت بخشنے کا ایک اہم ذریعہ قرار دیا ہے۔ وہ بحیثیت مجموعی ملک کے تمام علوم و فنون کو پستی کی حالت میں محسوس کرتے ہیں لیکن بالخصوص علم انشا کے حوالے سے پستی کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اگرچہ ہمارے ملک کے تمام علوم و فنون نہایت پستی کی حالت میں ہیں مگر ہمارا علم انشا سب سے زیادہ تاسف کے قابل ہے۔ آج تک ایک ایسی ڈکشنری بھی، جو عام ہندوستانیوں کے لیے مفید اور زبان کے ضروری حصہ پر حاوی ہو، تیار نہیں ہوتی...... ایک ایسی گریمر بھی، جس میں نہایت ضروری قواعد منضبط ہوں، نہیں لکھی گئی۔''۱۰

حالی بطور ایک مبصر کے قومی ہمدردی اور ترقی کا جو جذبہ اور درد دل میں رکھتے ہیں زیرِ تبصرہ کتب میں ان کے متلاشی ہوتے ہیں۔ وہ ان پہلوؤں کی نشاندہی کرتے ہیں جو نظر انداز کیے گئے ہوتے ہیں۔ کتاب "نیرنگ خیال" کو وہ انشا کے حوالہ سے اہم اضافہ قرار دیتے ہیں ساتھ ہی ساتھ وہ ادبا اور قارئین کے حلقوں کو یہ بھی باور کراتے ہیں کہ کون سے موضوعات پر ہمارے ہاں لکھے جانے کی اشد ضرورت ہے۔ انھوں نے زیرِ تبصرہ کتاب کے علاوہ نو (۹) مضامین ''اردو اور انگریزی انشا'' جو پہلا مضمون ہے اور ''شہرت عام اور بقائے دوام'' جو آخری ہے سب پر مختصراً اسلوب زبان و بیان اور موضوع کے حوالے سے لکھا ہے۔ نیرنگ خیال میں موضوعاتی تنوع اور زبان و بیان کی دلکشی اپنی جگہ اہمیت کی حامل ہے۔ لیکن ان کے خیال میں چونکہ انسانی کاوش، خوبی اور عیب سے مبرا نہیں ہوسکتی اس لیے ملک میں جہاں ترقی ابتدائی حالت میں ہے نقائص کی بجائے خصائص پر زیادہ نظر رکھنے کی ضرورت

ہے۔ تبصرہ نگاری میں مولانا الطاف حسین حالی عصری تقاضوں سے بخوبی آ گاہ ہیں اس لیے بعض نقائص سے صرفِ نظر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "نئے اسلوب کی کتابوں کا کم عیب ہونا بھی بے عیب ہونے کے برابر ہے" ۔[۱۱] گویا حالی نے اسلوب میں موجود خامیوں سے صرفِ نظر کیا ہے لیکن اس کی وجہ انشائی ادب کی کم مائیگی ہے۔ مولانا الطاف حسین حالی شعری ادب کی طرح نثری ادب کی بھرپور ترقی کے خواہاں ہیں۔ وہ کتاب کے دوسرے حصہ کی اشاعت کے متمنی بھی ہیں۔ انھوں نے تبصرہ میں موضوع، زبان و بیان اور دیگر فکری و فنی محاسن کو بیان کیا ہے۔ شمس العلما مولانا محمد حسین آزاد کی کتاب ''آب حیات'' جو اردو شعرا کا بے مثل تذکرہ ہے۔ حالی نے ''آب حیات'' پر مفصل ریویو لکھا جو علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۱۸۸۱ء میں شائع ہوا تھا۔ حالی نے آب حیات کے اول سے آخر تک مطالعہ کے بعد اس کے حسن و قبح ہر دو حوالوں سے تنقیدی نقطہ نظر پیش کیا ہےتا ہم خصائص کا بیان اول اور نقائص کا اظہار محتاط انداز میں تبصرے کے آخر میں کیا گیا ہے۔ "آب حیات "میں تذکرہ نویسی کا حق کس حد تک ادا ہوا ہے اس ضمن میں حالی رقمطراز ہیں: "اس تذکرے کو میں نے اول سے آخر تک دیکھا۔ حق یہ ہے کہ اردو زبان کا پہلا تذکرہ ہے جس میں تذکرہ نویسی کے فرائض ادا کیے گئے ہیں" ۔[۱۲] تبصرہ میں حالی نے اس بات کو پسند کیا کہ غیر ضروری تفصیل نہیں ہے۔ تذکرہ نگار نے شعرا کے حالات زندگی اور دیگر معاملات میں جزئیات نگاری سے اجتناب کرتے ہوئے اپنے مذاق کے موافق کلام اور شاعری پہ نکتہ چینی اور اظہار رائے کیا ہے۔ تہذیب کے دائرے میں رہتے ہوئے دیگر مذاہب جن میں پارسی، ہندو اور بدھ مت شامل ہیں کے ناموں میں ادب آداب کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔ تذکرہ نگار نے جن بنیادی اور ثانوی ماخذوں سے استفادہ کیا اور جن انگریزی مورخین کی کتابوں سے چھان بین کر کے معاونت لی حالی نے ان کو سراہا ہے۔ فروگذاشتیں جو مصنف سے سرزد ہوئیں ان کا بھی بیان کیا ہے۔ حالی نے اس بات پر تاسف کا اظہار کیا کہ رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' کی اردو کے حوالے سے خدمات کا بیان تذکردہ میں نہیں ہے۔ اس کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پرچہ تہذیب الاخلاق کا کچھ ذکر نہیں کیا گیا۔ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو اس پرچے نے اردو زبان کو چند روز میں اس درجے پر پہنچا دیا جو کہ کم سے کم پچاس برس کے بعد اس کو حاصل ہوتا۔''[۱۳]

دوسرا نکتہ حالی نے یہ اٹھایا کہ ''انجمن پنجاب'' کی نیچرل شاعری جس کی بنیاد خود تذکرہ نگار نے ڈالی تھی اس کا ذکر بھی نہیں کیا گیا۔ تیسرا نکتہ یہ کہ ولی سے لے کر غالب تک شعرائے اردو کے جو پانچ طبقے کیے گئے ہیں۔ ان میں بعض طبقات میں ایک آدھ شاعر کا نام قلم انداز کیا گیا ہے حالانکہ وہ اپنے طبقے میں مستند تھا۔ اگرچہ حالی نے بعض طبقات میں شعرا کو دانستہ یا نادانستہ طور پر تذکرہ نویس کی طرف سے نظر انداز کیے جانے کو یا ان کیادبی مقام و مرتبے کو کم کرنے کی کوشش کو ناپسند کیا لیکن خیال خاطر آزاد بھی مولانا الطاف حسین حالی کے پیشِ نظر ہے۔ کڑی تنقید

کرنے کی بجائے ان الفاظ میں باور کرواتے ہیں: ''طبقے پنجم میں مومن خاں مومن یا میر نظام الدین خاں ممنوں، لیکن اس کا یہ عذر ہو سکتا ہے کہ مصنف نے کہیں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ دور کا کوئی مستند شاعر فروگزاشت نہیں کیا جائے گا۔''[۱۴]

بہر حال حالی نے "آب حیات" پر تبصرہ میں مفصل انداز میں اس کے خصائص کا کھل کر اظہار کیا ہے۔ تاہم جو فروگذاشتیں ہیں ان کو بیان تو کیا ہے لیکن اس انداز سے کہ خود ہی کوئی جواز بھی بیان کر دیا تا کہ دل آزاری اور نکتہ چینی کا شائبہ نہ ہو۔ تبصرہ کا اختتام اس خوب صورت انداز سے کرتے ہیں: "اگر چہ وہ وقت ابھی نہیں آیا کہ شائشتہ ملکوں کی طرح ہر نئی تصنیف و تالیف پر ہمارے ہم وطن بھی اسی طرح کریں جیسے پیا سا ٹھنڈے پانی پر گرتا ہے"۔[۱۵] مولوی سید احمد دہلوی کی تالیف "فرہنگ آصفیہ " پر مولانا الطاف حسین حالی نے "ریویو " لکھا جو علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں ۱۸۸۷ء میں شائع ہوا۔ مولانا الطاف حسین حالی نے "فرہنگ آصفیہ " کو مولف کی بیس سالہ شبانہ روز محنت کا ثمر اور ایک غیر معمولی کارنامہ قرار دیا۔ انھوں نے مولوی سید احمد دہلوی کو انگریزی زبان کی پہلی ڈکشنری لکھنے والے جانسن جیسا قرار دیا جس نے میں انگریزی کی پہلی ڈکشنری لکھنے کا ارادہ کیا جس طرح انگریزی میں جانسن کی لکھی گئی ڈکشنری کو انگریزی زبان و ادب میں بنیادی حیثیت حاصل رہی ہے۔ حالی کے خیال میں وہی صورت حال فرہنگ آصفیہ کی ہے۔ اس ڈکشنری کی اردو زبان میں اساسی حیثیت کو بیان کرتے ہوئے مولانا الطاف حسین حالی لکھتے ہیں:

> ''ہماری یہ آرزو ہے کہ اردو ڈکشنری بھی ہندوستان میں وہی وقعت حاصل کرے جو اول جانسن کی ڈکشنری نے حاصل کی تھی۔ کیوں کہ اردو ڈکشنری کے جامع نے بھی ہمت، استقلال، محنت اور سلف ہلپ کے لحاظ سے بالکل ویسا ہی کام کیا ہے جیسا جانسن نے کیا تھا۔''[۱۶]

حالی نے ریویو میں اردو کی اچھی اور معیاری ڈکشنری لکھنے کے لیے دو بنیادی شرائط ضروری قرار دی ہیں۔ جو درج ذیل ہیں:

> ''پہلی شرط یہ ہے کہ ڈکشنری لکھنے والا ایسے شہر کا باشندہ ہو جہاں کی زبان پورے ہندوستان میں مستند مانی جاتی ہو۔ لکھنو اور دہلی دو شہر اس شرط پر پورا اترتے ہیں حالی کے بقول: "ہندوستان میں صرف دو شہر مانے گئے ہیں؛ دہلی اور لکھنؤ...... میں دہلی کو لکھنو پر ترجیح دیتا ہوں۔''[۱۷]

ترجیح دینے کی انھوں نے کئی ایک وجوہات بیان کی ہیں جن میں اہل حرفہ اور اہل بازار کے محاورات و اصطلاحات کا استعمال جو کسی بھی ڈکشنری کا جزو اعظم ہوتا ہے۔ مذکورہ شرائط کے پیش نظر تقابل میں لکھنو کی نسبت دہلی زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ روزمرہ محاورہ اور دیگر لسانی پہلوؤں سے حالی دہلی کی اہمیت کے قائل ہیں۔ دوسری شرط ان کے خیال کے مطابق اردو ڈکشنری لکھنے والے شخص کا شریف مسلمان ہونا ضروری ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ

ہندوستان کی سماجی صورت حال ایسی ہے کہ وہ کسی ہندو کو اردو کو ان کی مادری زبان نہیں ہونے دیتی۔ "فرہنگ آصفیہ " پہ لکھا گیا ریویو مفصل انداز کا حامل ہے۔ حالی نے زبان و بیان روزمرہ محاورہ، اصطلاحات اور عام فہم سلیس اور سادہ انداز کی تعریف کی ہے۔ اردو میں لکھی گئی یورپین زبانوں کی ڈکشنریوں کے ساتھ بھی اس کا موازنہ کیا ہے اور اس کے افادی پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ مولانا حالی تبصرہ کرتے ہوئے زیرِ تبصرہ کتاب کو ملک و قوم اور زبان و ادب کے لیے حاصل ہونیوالے فوائد اور ثمرات کو ذہن میں رکھتے ہیں۔ متعلقہ موضوع پر انھوں نے پس منظر اور پیش منظر پر مدلل بحث کی ہے۔ زبان و ادب کے سماجی تعلق اور باہم اثرات کو وسیع تر انداز میں بیان کیا ہے۔ فرہنگ آصفیہ پر تبصرہ حالی کے بہترین تبصروں میں سے ایک قرار دیا جا سکتا ہے۔ مختلف پہلوؤں پر مدلل تنقیدی نقطہ نظر بیان کیا گیا ہے۔

مولانا شبلی نعمانی کی تصنیف ''سیر النعمان'' ۱۸۹۰ء میں پہلی بار شائع ہوئی۔ اس کتاب پر مولانا الطاف حسین حالی کا لکھا گیا ریویو علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں ۱۸۹۲ء میں چھپا۔ سیر النعمان امام ابوحنیفہ کی حیات پر بہترین سوانح عمری ہے۔ تبصرے میں کتاب اور موضوع کے تعارف کے حوالے سے آغاز میں تمہیدی الفاظ بیان کیے گئے ہیں۔ پھر وہ ایک اچھے مبصر کے فرائض اور خصوصیات پر اپنا نقطہ نظر بیان کرتے لکھتے ہیں کہ ریویو لکھنے کی پہلی شرط دیانتداری ہے سچائی کو پیشِ نظر رکھ کر مجموعی طور پر تنقیدی تاثر پیش کیا جائے یہ نہیں کہ صرف کتاب کے پسندیدہ پہلوؤں اور اپنی خواہش کے موافق حصوں پر ہی داد دیدی جائے۔ بلکہ حسن و قبح ہر دو کا بیان کرے۔ ریویو نگاری کا مقصد ان کے خیال کے مطابق یہی ہے کہ ان فرائض کا جائزہ لیا جائے جو مصنف کے ذمہ ہوتے ہیں کہ آیا وہ ادا ہوئے ہیں کہ نہیں۔ مولانا الطاف حسین حالی مبصر کے فرائض کا تعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''یہ دیکھنا چاہے کہ کتاب کا عنوان بیان کیسا ہے؟ ترتیب کیسی ہے؟ طریق استدلال مذاق وقت کے مطابق ہے یا نہیں؟ اور کتاب لکھنے کی نمایت جو مقتضائے وقت کے موافق ہونی چاہے۔''[۱۷]

حالی نے کئی پہلوؤں سے شبلی نعمانی کی سوانح عمری کی تعریف کی ہے۔ کتاب کا سب سے نمایاں پہلو اس کی بلاغت اور جامعیت ہے۔ مبصر کے خیال میں اس موضوع پر قارئین کی تشنگی باقی نہیں رہتی۔ شبلی نعمانی نیمفصل انداز میں بیان کیا کہ کس طرح امام ابوحنیفہ نے اسلام کو فائدہ پہنچایا، انھوں نے روایت کے اصول قائم کیے، فن حدیث کے اصول قائم کیے۔ شبلی نے واضح کیا کہ امام صاحب ہی پہلے شخص ہیں جنھوں نے تشریحی اور غیر تشریحی حدیثوں میں امتیاز قائم کیا۔ فقہ کی تدوین اور اس کو جامع قانون کی حد تک پہنچانا بھی امام ابوحنیفہ کا کارنامہ قرار دیا۔ امام ابوحنیفہ کی شخصیت اور خدمات کے حوالہ سے سوانح عمری بھرپور احاطہ کرتی ہے۔ مولانا الطاف حسین حالی لکھتے ہیں:

''اس کتاب کا خیال جس قدر کہ لفظ " سیر النعمان " سے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ بہ نسبت اس کے

میرے ریویو سے شاید کچھ زیادہ ہوگا۔پس جو لوگ اس کتاب کی اصل حقیقت اور مصنف کی لیاقت کا پورا پورا اندازہ کرنا چاہتے ہیں ان کا فرض ہے کہ اس کتاب کو اول سے آخر تک دیکھیں۔''۱۸

سید شجاع الدین حسین دہلی کے مشہور شاعر جو انور تخلص کرتے تھے "نظم دل افروز "کے نام سے ان کا شعری مجموعہ شائع ہوا تھا۔انور چونکہ عالم شباب میں وفات پا گئے تھے۔بعد میں مشہور ادیب لالہ سری رام نے ۱۸۹۹ء میں رفاہ عام پریس لاہور سے چھپوا کر دہلی سے شائع کیا۔مولانا الطاف حسین حالی نے اس پر ایک مفصل تبصرہ لکھا جو رسالہ "معارف "بابت ماہ اپریل ۱۹۰۰ء میں شائع ہوا۔تبصرے میں حالی کی دلی سے محبت کی جھلک نمایاں ہے جو حالی کے رگ وپے میں سمائی ہوئی تھی۔ دلی کے ایک شاعر کے دیوان پر تبصرہ لکھتے ہوئے حالی کے دل ودماغ پر دلی کی عمر رفتہ کی یادیں پوری طرح جلوہ فگن ہیں۔غالب ہے، نہ شیفتہ، نہ نیر باقی ہے، وحشت ہے، نہ سالک ہے، نہ انور تو حالی اس صورت حال پر افسردہ خاطر ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں انور، عرف امرو مرزا کچھ دیر دلی سے دربدر ہوکر پانی پت میں قیام پذیر رہے تھے۔حالی تبصرے کے آغاز میں اس دور کو یاد کر کے افسردہ ہوتے ہیں۔گردش زمانہ نے جو رنگ دکھائے اور شاعر کی طبع نازک پر جو اثرات مرتب ہوئے دیوان میں زبان شعر وہ سب آشکار کرتی ہے۔زیر تبصرہ کتاب چونکہ شعری مجموعہ ہے اور مبصر کے اپنے ذہن میں ماضی کی یاد محفلوں کی تبصرہ کرتے ہوئے پوری طرح گھوم پھر جاتی ہے۔کتاب اور شاعر کے کلام پر تبصرہ کرنے کی بجائے مبصر ماضی اور حال کی بزم آرائیوں کا تقابل کرتے نظر آتے ہیں۔حالی لکھتے ہیں:''وہی مشاعرے جواب بچوں کا کھیل معلوم ہوتے ہیں۔اگران کا پھر ہاتھ آنا ممکن ہوتو کون ایسا بے دید اور طوطا چشم ہوگا۔جو نئی روشنی کو اس قدیم تاریکی سے بدلنے پر فی الفور آمادہ نہ ہو۔''۱۹

دیوان چونکہ قدیم رنگ کی شاعری کا مجموعہ ہے اس لیے حالی ریویو میں یہ باور کراتے ہیں کہ شاید نئے بگڑے ہوئے شاعر اس کی پوری طرح قدر کی نگاہ سے نہ دیکھیں۔حقیقت یہ کہ قدیم مذاق کے متوالوں کے لیے یہ نعمت غیر مترقبہ ہے۔آخر حالی نے پہلے کا بینہ رفاہ عام لاہور اور قیمت بارہ آنے فی جلد بتا کر قارئین کی رہنمائی کی ہے جو ایک تبصرہ کا مثالی اختتام ہوتا ہے۔رئیس میرٹھ منور خاں جو دلمیر تخلص کرتے تھے میں انھوں نے گنواری زبان کی نظموں کا دیوان مرتب کیا۔یہ نظمیں گنواری زبان جو درمیان دوآب ودوہانہ کے دیہات میں بولی جاتی تھی میں شامل تھیں۔مولانا الطاف حسین حالی نے اس کلیات پر''ریویو'' لکھا جو رسالہ معارف پانی پت جلد۴ میں دسمبر ۱۹۰۱ء میں شائع ہوا تھا۔کلیات دلمیر جس زبان میں مرتب ہوا وہ بگڑی ہوئی اردو ہے۔دلمیر نے قدرتی اور فطری انداز میں نہ صرف گنواروں اور دیہاتیوں کی بگڑی ہوئی زبان کے لفظ استعمال کیے ہیں بلکہ ان کے لہجے اور خیالات بھی شاعری میں سمو دیے ہیں۔حالی اس امر کی تعریف کرتے حالی لکھتے ہیں:

''پس اس دیوان میں زیادہ تر وہی الفاظ ہیں جو فصیح اردو میں صحیح طور پر مستعمل ہوتے ہیں۔ کسی قدر تغیر کے ساتھ گنواری بول چال میں استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے خالق اور کھالک، باپ اور باپو، مھارے اور ہمارے، چیے چیے اور چپاں، تونے اور تین نے وغیرہ وغیرہ۔'' ۲۰

تبصرہ میں دیوان کے فکری و فنی محاسن جو ایک مخصوص زبان اور کلچر کے تناظر میں ہو سکتے ہیں ان کا مفصل جائزہ لیا گیا ہے۔ مختلف اصناف جس کے حوالے سے طبع آزمائی کی گئی تھی مبصر نے اس کا جائزہ لیا ہے اور اظہار تاسف کیا کہ کچھ باتیں تہذیب کی حد سے تجاوز کر گئیں ہیں۔ صرف سامعین کا دل لبھانے اور رغبت پیدا کرنے کے لیے عموما ادبا اور شعرا فحش باتیں بیان کرتے ہیں حالانکہ یہ اخلاقی گراوٹ اور معاشرتی پستی کا سبب ہوتی ہیں: "افسوس ہے کہ اس دیوان میں جتنے اصناف کا کلام ہے ان سب کا نمونہ ہم نہیں دکھا سکتے...... دیوان میں سے غیر مہذب اشعار نکال دیے جائیں تو بھی ایک معتد بہ مجموعہ مہذب کلام کا باقی رہتا ہے"۔ ۲۱ حالی بطور مبصر زبان و بیان، موضوع اور کتاب کے سوسائٹی پر اثرات کے مفصل جائزے کے بعد رائے قائم کرتے ہیں۔ اگر چہ ان کا تنقید کا انداز دھیمہ ہوتا ہے لیکن منفی پہلوں کی نشاندہی دل کو ٹھیس پہنچائے بغیر کر جاتے ہیں۔ حسن و قبح کے بیان میں حالی کی شخصیت کا مخصوص رکھ رکھاو اور محتاط انداز نمایاں رہتا ہے۔ مولوی عبدالحمید خاں رام پوری کی ۱۹ ضخیم جلدوں پر مشتمل طویل اور مفصل لغت تھی جو ناگزیر وجوہات کی بنا پر شائع نہ ہو سکی۔ مولف نے متعدد بار حالی سے ملاقات کی اور لغت کے مسودے بھی دکھائے۔ حالی نے اس پر ریویو لکھا جو ۱۹۰۸ء میں رسالہ "آج کل" دہلی میں شائع ہوا تھا۔ مولف نے عرق ریزی سے کام کیا تھا۔ حتی الامکان ہر لفظ، محاورے اور با مقصد مرکب کے درست استعمال کا استعفادہ دہلی اور لکھنو کے اساتذہ سے لیا تھا۔ غزلیات کے علاوہ تمام نامور مرثیہ گو شعرا کا کلام سند کے اشعار کے طور پر استعمال کیا گیا تھا۔ صاحب تبصرہ کیلیے چونکہ یہ لغت از حد متاثر کن تھی اور وہ اس کی اشاعت کو لازم خیال کرتے تھے اس لیے زبان و ادب کے لیے اس کے خصائص کا تفصیلی تجزیہ پیش کیا۔ مولانا الطاف حسین حالی تبصرہ میں کتاب کے افادی پہلوں کی طرف توجہ مبذول کرواتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اب یہ کتاب ہمہ جہت مرتب ہو چکی ہے اور وہ وقت آ گیا ہے کہ اس کو چھپوا کر شائع کیا جائے...... افسوس کہ ہمارے رسائے ذی اختیار جو ایسے مفید کاموں کی بہت کچھ قدر کر سکتے ہیں ایسے امور سے بالکل دلچسپی نہیں رکھتے۔'' ۲۲

تبصرہ میں حالی نے جہاں لغت کے مختلف محاسن گنوائے ہیں وہیں قوم کے صاحب حیثیت طبقے پر اظہار تاسف بھی کیا ہے۔ ایک شخص کی اتنی بڑی کاوش کو اکارت ہوتا دیکھ کر حالی افسردہ خاطر ہوتے ہیں۔ تبصرہ میں انھوں نے لغت کے افادی پہلووں کو مفصل انداز میں بیان کیا ہے۔ نواب عزیز جنگ بہادر کی کتابوں پر مفصل تبصرہ لکھا جو علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۴ اگست ۱۹۰۹ء کو شائع ہوا۔ حالی نے نواب صاحب کی مختلف کتب پر تبصرہ کرتے ہوئے ان

کو انتظامی امور کی انجام دہی کے واسطے ترتیب دی گئی کتب کی تعریف کی۔ تمام مالی اور حسابی دفتروں میں امور کی انجام دہی میں ان کتب سے معاونت لی جاتی تھی۔ مولانا شبلی نعمانی نے نواب عزیز جنگ بہادر کی ان کتب کے اس خاص پہلو کی تعریف کی تھی اپنے ایک مختصر ریویو میں وہ لکھتے ہیں:

''ہم نے تاریخ کے سینکڑوں ہزاروں ورق الٹے ہیں اور مدت تک جستجو کی ہے کہ قدیم زمانے کیہر قسم کیطریقہ کاروائی سے واقف ہوں...... نواب عزیز جنگ بہادر مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے صرف حسابی سیاق کے متعلق ۱۶۶ اصفحہ کی کتاب تیار کر دی جو عجیب وغریب تحقیقات سے لبریز ہے۔'' ۲۳

حالی کے اس تبصرہ کی انفرادیت یہ ہے کہ ایک ہی مصنف کی کئی کتابوں پر جن میں "سیاق دکن "، "عطیات سلطانی" "غرائب الجمل "وغیرہ شامل ہیں پر تبصرہ کیا ہے اور بحیثیت مجموعی کتب کا تعارف موضوع کی اہمیت اور مصنف کی کاوش کا مختصراً احوال بیان کیا گیا ہے۔ مولانا حالی کے مذکورہ بالا مفصل تبصرے اگر چہ فن تبصرہ نگاری کے ابتدائی تبصروں میں شمار ہوتے ہیں تاہم انھوں نے جن نظریات کا اظہار تبصرہ نگاری کے حوالے سے کیا ہے وہ اساسی نوعیت اور اہمیت کے حامل ہیں۔ حالی کے اثرات مابعد کے مبصرین پر بھی مرتب ہوئے۔ فن تبصرہ کے لیے ایسے تبصراتی مضامین کا آغاز سفر میں تخلیق ہونا یقینی طور اس صنف کی زرخیزی اور ثروت مندی کا سبب بنا۔ گویا اردو میں تبصراتی مضمون کی بناڈالنے میں بھی حالی پیش پیش رہے ہیں۔ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی نے ''کلیات نثر حالی'' کی جلد دوم میں ان کے مختصر تبصرے جو مختلف اوقات میں ان کے ہم عصر رسائل و جرائد میں چھپے تھے، اکٹھے کر کے جلد دوم میں مرتب کر دیے ہیں۔ ان میں تقریظیں بھی ہیں اور تبصرے بھی لیکن دونوں کے لیے مرتب ریویو کا لفظ استعمال کیا ہے۔ تاہم جو رائے کتاب کی اشاعت کے بعد مختصر تبصرہ کی صورت میں رسائل و جرائد میں شائع ہوئی اور اردو ادبی تبصرہ نگاری کے فروغ اور روایت کو آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا ان کی تفصیل درج ذیل ہے: مولوی محمد حسین نامی جو اخبار ''انجمن پنجاب'' کے ایڈیٹر اور اورینٹل کالج لاہور میں پروفیسر تھے فلسفہ اور منطق پر خاص عبور رکھتے تھے۔ ان کی کتاب "منطق استقرائی "پر مولانا الطاف حسین حالی نے ریویو لکھا جو علی گڑھ انسٹیٹوٹ گزٹ میں ۱۸۸۶ء میں شائع ہو۔ مولانا الطاف حسین حالی نے کتاب اور مصنف کے تعارف اور بالخصوص کتاب کے موضوع کی ستائش کی ہے۔ وہ تبصرہ میں کتاب پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یورپ کے تمام صنائع وفنون اور تمام تحقیقات اور انکشاف کی کنجی یہی منطق استقرائی ہے جس کی تشریح وتحلیل "نوم آرگینم "میں کی گئی ہے اور جس کا انکشاف ہندوستانیوں کے لیے سب سے پہلے مولوی محمد حسین ایم۔ اے کے ہاتھ اور قلم پر محول ہے''۔ ۲۴

مترجم کی کاوش سے کئی پہلو سامنے آئے ہیں۔ مثلاً مصنف نے منطق قیاسی کا تقابل پیش کیا ہے جس کو مبصر نے

سراہا ہیکہ اہل وطن کو تقابلی مطالعہ کا موقع فراہم کیا گیا ہے۔علمی مضامین کا بیان اگرچہ سادہ صاف اور سلیس زبان میں کیا گیا ہے تاہم طالب علموں کو مطلب سمجھنے میں غور وخوض کی ضرورت ہو لازمی ہوگی۔آغاز میں تفہیم میں جو مشکلات در پیش ہوں گی بتدریج ہم وطنوں کے کانوں سے اجنبی اصطلاحین مانوس ہو جائیں گی۔حالی دبے لفظوں میں مشکل اور دقیق اصطلاحوں کا ذکر کرتے ہیں لیکن وہ کتاب کی افادیت اور مثبت اثرات کے قائل ہیں۔عمدہ انداز میں زیرِ تبصرہ کتاب کے حسن و قبح ہر دو پہلوں کا بیان کرتے ہیں۔مولوی حبیب الرحمان شروانی رئیس اعظم بھیکم پور کی تصنیف کردہ ان دو کتب پر مولانا حالی نیر یو یولکھا اور حبیب الرحمان شروانی کو بذریعہ خط بھجوایا۔اب یہ ریویو مکتوبات حالی جلد اول میں شامل ہے۔تبصرہ میں پہلے انھوں نے تصویر عبرت پر قلم اٹھایا تو کہا کہ اس کے مطالعہ سے بلا تصنع انھوں نیلطف تازہ ہر بار حاصل کیا۔حالی کبر سن ہونے کی وجہ سے عمدہ شعر کی پہلے جیسی کیفیت اب محسوس نہیں کرتے تاہم عناصر میں وہ اعتدال نہ ہونے کے باوجود نظم سے پوری طرح محظوظ ہوئے۔کتاب میں دلچسپی کے عناصر اور تاثیر کی تحسین کرتے ہیں۔دوسرے نمبر پر "حمایت اسلام "میں پیش کیے گئے خیالات سیوہ کلی طور پر متفق نہیں حالی کے خیال میں:"بعض خیالات ایسے ظاہر کیے گئے جن سے مجھ کو اتفاق نہیں ہے"۔۲۵ حالی نے روسا کے طبقے میں جو قحط الرحال کی کیفیت ہے اس میں حبیب الرحمٰن شیروانی کے ذوق اور کاوش کی تعریف کی ہے۔دونوں آرا میں اختصار ہے۔حالی نے مختصراانداز میں حسن و قبح کے دونوں پہلوں پر خوب صورت انداز میں تبصرہ کیا ہے۔لالہ رگھوناتھ سہائے کی تصنیف ''گلدستہ اخلاق'' کا موضوع نو جوانون نسل کی اخلاقی ترتیب کا تھا۔حالی کے تبصرہ کے آغاز میں اپنی ناتوانی کا ذکر کیا ہے، جس کی بدولت وہ نئی کتب پر تبصرہ سے گریز کرتے ہیں۔لالہ رگھوناتھ سہائے کی تصنیف کو دیکھ کر لازم سمجھتے ہیں کہ اظہار رائے ہو۔کتاب کے موضوع مفید اور مصنف کی کاوش کو قابل ستائش قرار دیتے ہیں۔روزمرہ محاورہ کے استعمال میں جو اغلاط ہیں ان کی نشاندہی کرتے ہیں:''محاورہ اور روزمرہ میں تبدیلی کی ضرورت ہے......جو لفظ خلاف روزمرہ کے دیکھوں گا حاشیے پر دوسرا لفظ اس کی جگہ بدل دوں گا۔''۲۶

اگرچہ مختصر اظہار رائے ہے لیکن مثبت و منفی دونوں کو پیشِ نظر رکھ کر مبصر نے اپنی ذمہ داری پوری طرح ادا کر دی۔مولانا الطاف حسین کا یہ ریویو مولانا شاطر مدراسی جن کا اصل نام محمد عبدالرحمان تھا کے دو قصیدوں "اعجاز عشق" اور" کارنامہ دانش "پر مختصر اظہار رائے ہے۔تبصرہ کے آغاز میں انھوں نے مدراس میں ایک قادر الکلام شاعر کی موجودگی پر اظہار تعجب کیا ہے اور بعض اشعار کے پیرایہ بیان پر رشک کیا ہے۔دوسرے قصیدے کو بھی انھوں نے قابل تحسین قرار دیا۔شاعر کی خداداد صلاحیتوں کا بیان کرتے ہوئے حالی لکھتے ہیں:''بعد مطالعہ کے جو بات دل پر نقش ہوئی، وہ یہ ہے کہ فی الواقعہ آپ فطرتا شاعر پیدا ہوئے ہیں اور اس صناعت کی قابلیت آپ میں خداداد ہے"۔۲۷

حالی تبصرہ سے پیش تر زیرِ تبصرہ فن پارہ کا بغور مطالعہ کرتے ہیں اور پھر رائے قائم کرتے ہیں اور یہ ان کی تبصرہ نگاری کا طرہ امتیاز ہے کہ اس میں خیالی تعریف نہیں ہوتی۔فکری و فنی تجزیہ کے بعد اظہار رائے کرتے ہیں۔تبصرہ

نگاری کی یہی خصوصیت اسے تقریظ سے منفرد اور ممتاز کرتی ہے۔ حالی کے تبصروں میں خیالی انداز نہیں ہے۔ وہ اصل متن کے مطالعہ کے بعد تبصرہ کرتے ہیں۔ ایک تبصرہ سوانح عمری "حضرت محمدؐ " کی حیات طیبہ کے بارے میں لکھی گئی کتاب پر ہے۔ جس کے مصنف شردھے پرکاش دیوی جی ہیں۔ حالی نے اس نقطہ نظر سے مصنف اور زیرہ تبصرہ کی تعریف کی ہے کہ صاحب کتاب اگر چہ مسلمان نہیں ہیں لیکن ان کا انداز بے تعصب ہے۔ تمام واقعات نہایت اختصار کے ساتھ دلنشین اور دلچسپ پیرایہ میں بیان کیے گئے ہیں۔ پرکاش دیو جی نے مختلف اعتراضات کا جواب عمدگی اور خوش اسلوبی سے دیا ہے۔ مولانا الطاف حسین حالی بطور مبصر مسلمانوں کی طرف سے کتاب کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا۔ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی کے بقول: ''جب کتاب شائع ہوئی تو مسلمانوں کے تمام بڑے لیڈروں اور تمام پریس نے اس کی بے انتہا تعریف کی اور اسے بے تعصبی اور روشن خیالی کا بہترین مظہر قرار دیا''۲۸ مولانا شبلی نعمانی کی فارسی غزلوں کا مجموعہ ''دستہ گل'' کے نام سے ۱۹۰۸ء میں شائع ہوا۔ مولانا الطاف حسین حالی نے اس پر ریویو لکھا جو " مکتوبات حالی" میں شامل ہے۔ ''دستہ گل'' کی فارسی غزلوں کو پڑھ کر حالی پھڑک اٹھے۔ انھوں نے شبلی کی فارسی غزلوں کو ایسی شراب دوآتشہ قرار دیا جس میں خمار چشم ساقی بھی ملا ہوا ہے۔ خیالات کی جوگرمی اور والہانہ انداز ہیقاری بمشکل مانے گا کہ یہ کلام سیر النعمان، الفاروق اور سوانح عمری مولانا روم جیسی مقدس کتابیں لکھنے والے شخص کا کلام ہے۔ حالی نے فارسی کلام کو از حد سراہا، وہ لکھتے ہیں: ''میرا ارادہ تھا کہ اپنا فارسی کلام نظم ونثر جو کچھ ہے، اس کو بھی چھپوا کر شائع کر دوں مگر ''دستہ گل'' دیکھنے کے بعد میری غزلیں خود میری نظر سے گر گئیں۔''۲۹

سید اصغر علی بلگرامی کی تصنیف "فلسفہ ازدواج "پر انھوں نے ۱۲ دسمبر ۱۹۰۹ء میں ریویو لکھا جو مکاتیب حالی میں شامل ہے۔ اگر چہ انھوں نے تبصرہ کے آغاز میں اپنی ناتوانی کا ذکر کیا ہے تاہم وقت کی ضرورت اور بیماری کے باوجود مفید کتاب کا انھوں نے مطالعہ کیا۔ خرابی صحت کی بنا پر مفصل ریویو تو نہ لکھ سکے تاہم مختصر اظہار رائے کیا۔ حالی نے تبصرے میں صاحب تصنیف کی کاوش کو قوم پر احسان قرار دیا۔ قارئین کو کتاب کا اول تا آخر مطالعہ اور پوری طرح مستفید ہونے کی دعوت دی۔ پروفیسر مرزا سجاد بیگ دہلوی نے علم الاخلاق کے موضوع پر ۱۹۱۰ء میں " حکمت عملی" کے عنوان سے کتاب لکھی۔ مولانا الطاف حسین حالی نے اس پر ریویو لکھا جو رسالہ مخزن لاہور جلد ۲۰، نمبر ۳، بابت ماہ دسمبر ۱۹۱۰ء میں شائع ہوا۔ حالی نے اس مفید اور قابل قدر کتاب پر اس نقطہ نظر سے زیادہ پسندیدگی ظاہر کی کہ کتاب سے اردو زبان وادب کی ایک ایسی ضرورت کی کمی پوری ہوئی جس کو مدت سے محسوس کیا جا رہا تھا۔ حالی کتاب کے مطالعہ سے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ فاضل مصنف نے انسانی کردار کی تعمیر اور جو ہر شرافت کے پیدا کرنے کے اہم امور اس میں شامل کر دیے ہیں۔ کتاب تین مقالوں پر مشتمل ہے۔ پہلا مقالہ تہذیب اخلاق دوسرا مقالہ تدبیر منزل اور تیسرا مقالہ میں سیاست مدن کا بیان ہے۔ تبصرہ میں حالی نے کتاب کو مرد وزن دونوں کے لیے برابر سودمند قرار دیتے ہیں: ''مجھے قوی امید ہے کہ عمدہ تصنیف ملک میں عام قبولیت کا درجہ حاصل کرے گی اور میری دلی آرزو ہے کہ میرے ہم وطن اس سے فائدہ اٹھائیں۔''۳۰ ملک وقوم کے لیے مفید کتب کے مطالعہ کا حالی بالخصوص زور دیتے

ہیں۔ حالی کا مطمحِ نظر قوم کی اصلاح اور فلاح ہے۔ وہ قوم کو ترقی کی راہ پر گامزن دیکھنا چاہتے ہیں چنانچہ اکثر ایسے موضوعات پر کتب جو پبلک کی بہبود کی راہ ہموار کرتی ہوں حالی ان کی کھل کر تعریف بھی کرتے ہیں اور مطالعہ کی دعوت بھی دیتے ہیں۔ منشی سید احمد دہلوی مولف ''فرہنگ آصفیہ'' کی اہلیہ نے ''تسخیر شوہر'' کے نام سے ایک کتاب تالیف کی تھی۔ حالی نے اس پر ریویو لکھا جو علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ جلد ۱۱، نمبر ۲۰ بابت ۲۴ مئی ۱۹۱۱ء میں شائع ہوا۔ حالی نے کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کے مطالعہ کو ازدواجی زندگی کی کامیابی کے لیے اہم قرار دیا۔ دلی کی خاص زبان اور روزمرہ محاورہ کو خوب صورت انداز میں استعمال کیا ہے۔ کتاب کی تخلیق کے پس پردہ جو محرک اور مقصد ہے اس کے حوالہ سے حالی رقم طراز ہیں: ''کتاب کا اصل مقصد یہ ہے کہ بیبیوں کو خاوندوں کے ساتھ اور خاوندوں کو بیبیوں کے ساتھ ایسا برتا برتنا چاہیے کہ طرفین میں روز بروز محبت، ہمدردی اور خیر خواہی کا خیال زیادہ ہوتا جائے۔''۳۱

مبصر نے کامیاب عائلی زندگی میں معاون کتاب "تسخیر شوہر" کی تعریف فنی محاسن کی بجائے موضوع کی افادیت کے حوالے سے کی ہے۔ تبصرہ نگاری میں بھی حالی کے پیشِ نظر کسی فن پارے کا کردار زیادہ موثر ہونا مقصدیت کے تناظر میں ہوتا ہے۔ ایسے موضوعات پر لکھی گئی کتب ان کے خیال میں سوسائٹی میں انتشار اور خلفشار کی کمی کا سبب ہوتی ہیں۔ مولانا الطاف حسین حالی کے کچھ تبصرے اپنے ہم عصر رسائل جرائد پر لکھے ہیں۔ انھوں نے رسائل و جرائد پر جو تبصرے لکھے وہ ان رسائل و جرائد کی علمی ادبی خدمات کے حوالے سے ہیں۔ نئے جاری ہونے والے رسائل عموما ایڈیٹر کی طرف سے حالی کو اعزازی طور بھجوائے جاتے تھے اور ساتھ تبصرہ کی استدعا بھی کی جاتی تھی۔ جن رسائل و جرائد پر تبصرے کیے گئے ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔ ''ادیب'' کے نام تین ماہ نامے لکھنو، پٹنہ اور فیروز آباد سے مختلف اوقات میں جاری ہوئے۔ ۱۸۹۹ء میں فیروز آباد ضلع آگرہ سے "ادیب" کا نمبر نکلا تو سید اکبر علی نے حالی کی خدمت میں ایک کاپی اظہار رائے کے لیے بھیجی۔ حالی نے اس پر ریویو لکھا جو رسالہ ادیب میں شائع ہوا رسالہ ''ادیب'' پر تبصرہ کرتے ہوئے حالی لکھتے ہیں: ''ادیب کا پہلا نمبر پہنچا۔ ایک ہی جلسے میں اس کو اول تا آخر پڑھ گیا اور بہت محظوظ ہوا۔ ظاہراً یہ رسالہ ہونہار معلوم ہوتا ہے۔''۳۲ حالی سرسری جائزہ کے قائل نہیں وہ مکمل مطالعہ اور تجزیہ کے بعد تبصرہ کرتے ہیں۔ یہی وجہ کہ ان کی رائے صائب تھی اور قارئین کے حلقہ میں مقبول تھی اور رائے عامہ کی تعمیر میں اہم کردار ادا کرتی تھی۔ نواب افسر الدولہ نے حیدرآباد دکن کے ''افسر'' کے نام سے رسالہ جاری کیا شیخ اسماعیل پانی پتی کے خیال میں مولانا نے اس رسالے پر مختلف اوقات میں پانچ مرتبہ اپنے خیال کا اظہار فرمایا۔ مولانا حالی کے ہاں اعزازی طور پر یہ رسالہ پہنچتا تھا۔ وہ مطالعہ کے بعد رسالہ کی ادبی خدمات کے حوالے سے ریویو لکھ کر بھجواتے تھے۔ مولانا حالی ریویو کرتے ہوئے رسالہ ''افسر'' کی زبان وادب کے حوالے سے خدمات کو قابل ستائش قرار دیتے ہیں۔ شائع ہونے والے علمی وادبی مضامین اور تبصروں کا بغور مطالعہ کرتے ہیں اور پرچے کی علمی، ادبی اور تنقیدی معیار پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''افسر'' کا چھٹا نمبر پہنچا جدید اردو کے مشہور مصنفین پر جو ریویو آپ نے تحریر فرمایا ہے اس کو میں نے بہت غور سے پڑھا...... شیخ عبدالقادر صاحب تعلیم یافتہ مسلمان نوجوانوں میں ایک ممتاز شخص ہیں اور میرے دوست ہیں۔ ان کو نہ صرف انگلش لٹریچر سے بلکہ اردو لٹریچر سے بھی ایک خاص مناسبت اور اس کا ثبوت یہی ہے جو انھوں نے جدید اردو لٹریچر کے مصنفین پر لکھا ہے۔''۳۳

مولوی سید وحیدالدین سلیم نے ایک اعلیٰ پائے کا علمی اور ادبی ماہنامہ ''معارف'' یکم جولائی ۱۸۹۸ء کو علی گڑھ سے جاری کیا اور یہ سلسلہ تین سال تک جاری رہا۔ اس کے بعد پانی پت سے میں اس کا دوبارہ اجرا ہوا لیکن یہ سلسلہ زیادہ دیر نہ چل سکا۔ رسالہ "معارف " کو علمی و ادبی خدمات اور عمدہ پیش کش کا مولانا الطاف حسین حالی ان الفاظ میں اظہار کرتے ہیں: میں "رسالہ معارف " کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں دل سے قدر کرتا ہوں اور ملک کے موجودہ میگزینوں میں اس کو خاص امتیاز کی نظر سے دیکھتا ہوں۔

عبدالحلیم شرر نے ''اتحاد'' کے نام سے ایک پندرہ روزہ رسالہ لکھنو سے جاری کیا۔ جس کا پہلا پرچہ یکم اپریل ۱۹۰۴ء کو شائع ہوا۔ حالی نے اس رسالے کا بڑا مقصد ہندو مسلم اتحاد تھا حالی سمیت بڑے ادبا نے اس میں مضامین لکھے۔ قومی یکجہتی اور زبان و ادب کی ترقی میں اس کے اہم کردار کی تعریف کی۔ مولانا ظفر علی خاں نے حیدرآباد دکن میں ملازمت کے دوران بمبئی سے ایک رسالہ "دکن ریویو "کے نام سے جاری کیا۔ حالی نے "رسالہ دکن ریویو "پر تبصرہ لکھا جس میں نئے موضوعات پر مضامین اور نیچرل شاعری کے رواج میں کردار پر "دکن ریویو "میں کی جانے والی کاوشوں کو از حد اہمیت کا حامل قرار دیا ہے۔ ریویو میں مولانا ظفر علی خاں کے بارے میں لکھتے ہیں: ''آپ جیسے دو چار آدمی ملک میں اور پیدا ہو جائیں تو مجھے امید پڑتی ہے کہ نئی شاعری چل نکلے۔ مجھے تو مسلمانوں کے دکھڑے نے اتنی مہلت ہی نہیں دی۔''۳۴

رسالہ'' زمانہ''منشی دیا نرائن نگم کی زیر ادارت میں کان پور سے جاری ہوا۔ زمانہ کا شمار ان خاص ادبی ماہناموں نے میں جنھوں نے ایک طویل عرصے تک اور دادیب کی پرخلوص خدمت کی مولانا حالی ماہنامہ کی شائستگی اور صلح کل کے مسلک کی پالیسی پر تبصرہ کرتے لکھتے ہیں:'' زمانہ کو میں دل سے پسند کرتا ہوں اور اس کو ان مستثنیٰ رسالوں میں شمار کرتا ہوں جو اردو لٹریچر کو ناشائستگی کے خس و خاشاک سے پاک کر رہے ہیں۔''۳۵

رسالہ'' آفتاب''سید محمد حسین رضوی کی زیر ادارت فروری ۱۹۰۴ء میں جھالراپاٹن سے جاری ہوا تھا۔ مولانا نے ایڈیٹر کے نام خط میں رسالہ'' آفتاب'' پر ریویو لکھا جو رسالہ آفتاب جلد ۲ بابت فروری ۱۹۰۸ء میں شائع ہوا۔ حالی نے تبصرہ میں لکھا کہ آفتاب کو دیکھ کر طبعیت خوش ہوئی اور اس پر اظہار مسرت کیا کہ ہمارے رئیس علمی و ادبی کاموں کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ وہ خدا سے امید کرتے ہیں کہ آفتاب ملک میں چمکے گا۔ علمی و ادبی کاموں میں صاحب ثروت اشخاص کا راغب ہونا حالی کے لیے متاثر کن ہے اور ہندوستان کے بھلے دن آنے کی امید نظر آتی ہے۔ مولانا

ظفر علی خاں نے ایک ادبی ماہنامہ اپنے وطن کرم آباد ضلع گوجرانولہ سے ۱۹۱۰ء میں نکالا۔ حالی نے "پنجاب ریویو " کا جو پہلا نمبر نکلا اس کو از حد پسند کیا اور اس پر ریویو لکھا مولانا ظفر علی خاں کی مختلف خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اللہ تعالی آپ کے کاموں میں برکت دے اور اپنی خداداد صلاحیتوں کے جوہر اسی طرح مدت دراز تک ظاہر کرتے رہیں"۔ ۳۶ مولانا محمد علی جوہر نے ۱۴ جون ۱۹۱۳ء کو دہلی سیروز نامہ "ہمدرد " جاری کیا مولانا نے اس پر ریویو لکھا اور اپنے تاثر کا اظہار کرتے ہوئے لکھا:

''دلی کو یہ عزت حاصل ہونے والی ہے کہ اردو کا عمدہ ترین پرچہ یاس و امید کی سخت کش مکش کے بعد وہاں سے جاری ہونے والا ہے...... یہ ریویو کچھ چیز نہیں ہے مگر ایک قریب المرگ آدمی کے منہ سے جو الفاظ برے یا بھلے نکل جاتے ہیں ان ہی کو غنیمت سمجھا جاتا ہے۔'' ۳۷

لالہ پیارے لال جو کچھ عرصہ الہ آباد کے مشہور ادبی ماہنامہ کے ایڈیٹر بھی رہے وہاں سے الگ ہو کر انھوں نے ۱۹۱۳ء میں "العصر " لکھنو سے جاری کیا شیخ محمد اسماعیل کے بقول: "پرچہ شائع ہوتے ہی انھوں نے مولانا حالی کے نام جاری کر دیا اور ان سے اظہار رائے کی درخواست کی"۔ ۳۸ حالی نے ریویو میں نئے پرچہ کے اجرا پر اظہار مسرت کیا سرسبز اور کامیاب رہنے کی امید اور دعا کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "العصر کو دیکھ کر بہت جی خوش ہوا۔ اللہ تعالی اس کو سرسبز اور کامیاب کرے۔ ضرور، ایسا ہی ہوگا۔ ۳۹

"اردو " کے نام سے ایک ماہوار رسالہ مولوی فتح محمد خاں جالندھری نے ستمبر اکتوبر ۱۹۱۳ء میں نکالا۔ مولانا الطاف حسین حالی نے اس پر ریویو لکھا جو اکتوبر ۱۹۱۳ء کے نمبر میں شائع ہوا۔ انھوں نے کئی حوالوں سے جائزہ اور تجاویز پیش کیں۔ مولانا الطاف حسین حالی نے ریویو میں لکھا: "اول تو جو مضامین پہلے نمبر میں شائع ہوئے ہیں وہ نہایت موزوں ہیں"۔ ۴۰ اکبر آباد آگرہ سے بچوں کے لیے ایک ماہوار رسالہ عزیز نکلتا تھا۔ رسالہ عزیز کے ایڈیٹر مولانا الطاف حسین حالی سے ریویو کی درخواست کی تو انھوں نے اس رسالہ میں شائع ہونے والے بعض مضامین کسی سے پڑھوا کر سنے اور پھر ایک ریویو مختصراً لکھا۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے رسالہ عزیز کی کاوشوں کو مفید قرار دیا۔

مولانا الطاف حسین حالی کی تبصرہ نگاری کا بحیثیت مجموعی جائزہ لیا جائے تو مختصر، مفصل اور رسائل و جرائد پر لکھے گئے ریویو اچھی خاصی تعداد میں ہیں۔ ان تبصروں کے تجزیاتی مطالعہ سے صنفِ تبصرہ کے حوالے سے ان کے نظریات کا واضح اندازہ ہوتا ہے۔ مولانا الطاف حسین حالی کے مفصل، مختصر اور رسائل و جرائد پہ کیے گئے تبصروں کی تجزیاتی مطالعہ سے یہ بات پوری طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ وہ تبصرہ مخصوص نظریات کے تناظر میں کرتے ہیں۔ ان کے اسلوب اور فکر پر عہد سرسید کی گہری چھاپ ہے تاہم انھوں نے تبصرہ کے جو اصول اپنائے ہیں اس میں اپنی انفرادیت قائم رکھتے ہیں۔ حالی تبصرہ کرتے ہوئے جن اصولوں کو مدنظر رکھتے ہیں وہ ان کی انفرادیت کی جان ہیں۔

تبصرہ نگاری کے یہ اصول ان کے ذہن اور فکر و نظر کے عکاس ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی ان کی تبصرہ نگاری کے اصول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حالی کے اصول ان کی انفرادیت کی جان ہیں۔ یہ اصول انھوں خواہ کہیں سےمستعار لیے ہوں، ان کی اپنی فکر و نظر کی کوکھ سے جنم لیتے ہیں۔ یہ اصول ان کے ذہن اور فکر و نظر کا جز ہیں جن کے ثبوت وہ دوسری زبانوں کے ادبیات سے فراہم کرتے ہیں یا کسی شاعر کیبارے میں اپنی رائے دیتے ہیں تو یہی اصول اس رائے کی بنیاد ہوتے ہیں۔''[۱۴]

تبصرہ نگار کا ان اوصاف سے متصف ہونا ہے ضروری ہے جو کھرے اور کھوٹے کی پہچان کر سکے۔ مبصر کا فریضہ اس ذوق کی تلاش اور پہچان ہوتا ہےجو قارئین کی تشنگی کو بجھانے کے کام آئے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مبصر کا پیش کردہ تبصرہ قارئین کیلیے وہ ملخص ہوتا ہے جو کتاب کے بارے میں اچھا برا تاثر ابھارنے میں معاون ہوتا ہے۔ تبصرہ فکر و نظر کو روشنی فراہم کرتا ہے۔ حالی کے تبصروں کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ وہ تصنیف و تالیف کے مقصدی اور افادی ہونے کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ مبصر کی مثبت رہنمائی قارئین کے ذوق کی آبیاری آئندہ کے تخلیق کار کے لیے فکر و نظر کے نئے در وا کرتی ہے۔ ایسا اسی صورت ممکن ہے کہ جب پہلے خود اپنے لیے کچھ اصول وضوابط طے کرے اور ان پر عمل پیرا ہو۔ حالی جن اصولوں کا ذکر کرتے ہیں وہ خود بھی ان پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ حالی حسن و قبح ہر دو کو بیان کرنے کے قائل ہیں اور دونوں پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہیں۔ تاہم تبصرہ نگاری میں اخلاقی اقدار اور شخصیت کا مخصوص رکھ رکھا تعریف و توصیف کے اظہار میں برابر قائم رہتا ہے۔ حالی بے جا تعریف و توصیف کرتے ہیں اور نہ ہی کڑی تنقید کے روادار ہیں۔ زیرِ تبصرہ کتاب کے حوالے سے ان کے پیشِ نظر اصلاح اور مقصدیت ضرور ہوتی ہے لیکن اعتدال کا دامن تھامے رکھتے ہیں۔ متوازان اور محتاط انداز ہر گام شامل حال رہتا ہے۔ توصیفی پہلو کھل کر بیان کرتے ہیں۔ جبکہ تشنہ اور کمزور پہلوں کا بیان کمال مہارت سے کرتے ہیں کہ تنقید برائے تنقید کا شائبہ نہ ہو۔ ادبی گروہ بندی، حوصلہ شکنی، بے جا تنقید، سخت گرفت اور تابڑ توڑ حملوں کی صورت حال ان کے تبصروں میں کہیں نظر نہیں آتی۔ حالی کی تبصرہ نگاری میں ان کی مشفق شخصیت کا عکس جا بجا نمایاں ہے اور کیفیت میر انیس کے اس شعر کی مظہر ہے:

خیال خاطر احباب چاہیے ہر دم انیس
ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

تبصرہ نگاری کا تقاضا بے لاگ اظہار رائے ہے اور حالی اس میں بڑی حد تک کامیاب ٹھہرتے ہیں کیونکہ وہ نقائص، اغلاط اور توجہ طلب امور کی نشاندہی ضرور کرتے ہیں۔ ایسی صورت حال میں حالی بطور مبصر دوستوں کی طبع نازک پر گرانی کا باعث بنے بغیر اپنا حق ادا کر رہے ہوتے ہیں۔ حالی کے اس طرز تبصرہ نگاری کا تجزیہ کرتے ہوئے ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:''معلوم ہوتا ہے کہ حالی اپنے ہم عصروں کی بابت کوئی سخت بات نہیں کہنا چاہتے۔ اسے

آپ ان کے تبصروں کی خامی کہہ سکتے ہیں۔''۲۰

حالی طبعاً شریف النفس، صلح پسند، ہمدرد، بااخلاق اور منکسر المزاج تھے، شخصیت کے یہ خصائص ان کی تبصرہ نگاری پر بھی اثر انداز ہوئے۔ وہ لگی لپٹی رکھے بغیر بھی اظہار رائے کرتے ہیں تو مزاج اور اخلاق کی شائستگی انداز کو کھردرا نہیں ہونے دیتی۔ دراصل حالی اردو کا پہلا باقاعدہ تبصرہ نگار ہے، جس نے فن تبصرہ نگاری کا اردو میں اولین معیار قائم کیا۔ انھوں نے تبصرہ نگاری کے حوالے سے جن آرا کا اظہار کیا اور ان پر عمل پیرا ہو کر تبصرہ نگاری کی ان کی حیثیت آج بھی مسلم ہے۔ اولین مبصر ہونے کی بنا پر ان کے سامنے اردو میں تبصرہ نگاری کے نمونے نہیں تھے۔ چنانچہ کمزوریوں کے باوجود ایک جدید صنفِ تبصرہ کی روایت کا آغاز کرنے میں وہ پیش پیش رہے ہیں۔

حواشی:

۱۔ عبدالقیوم، ڈاکٹر، مشمولہ، کلیات نثر حالی، جلد دوم، مرتب شیخ محمد اسماعیل پانی پتی، (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۸ء) سرورق

۲۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، اردو تنقید کا ارتقا، (کراچی: انجمنِ ترقی اردو، پاکستان، س ن) ص ۴۰۸

۳۔ جمیل جالبی ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو (جلد چہارم)، (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۲ء) ص ۹۷۳

۴۔ الطاف حسین حالی، مولانا، کلیات نثر حالی جلد دوم مرتبہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۸ء) ص ۱۶۱

۵۔ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی، مرتب، کلیات نثر حالی، جلد دوم، محولہ بالا ص ۱۶۲

۶۔ الطاف حسین حالی، مولانا، محولہ بالا ص ۱۶۲

۷۔ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی، ص ۱۶۶

۸۔ الطاف حسین حالی، محولہ بالا ص ۶۸۔۱۶۷

۹۔ ایضاً، ص ۱۷۷

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۸۳

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۸۶

۱۲۔ ایضاً

۱۳۔ ایضاً، ص ۸۵۔۱۸۴

۱۴۔ ایضاً، ص ۲۰۳

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۹۴

۱۶۔ ایضاً، ص ۲۳۳

۱۷۔ ایضاً، ص ۲۳۷

۱۸۔ ایضاً، ص ۲۱۲

۱۹۔ الطاف حسین حالی، ایضا، ص ۲۸۲

۲۰۔ شبلی نعمانی مشمولہ کلیات نثر...... محولہ بالا، ص ۲۹۵

۲۱۔ الطاف حسین حالی۔۔۔ایضاً، ص ۹۷۔۱۹۶

۲۲۔ ایضاً، ص ۲۴۳ ۲۳۔ ایضاً، ص ۲۵۴

۲۴۔ الطاف حسین حالی، ایضاً، ص ۲۸۴

۲۵۔ شبلی نعمانی بحوالہ تصانیف" نواب عزیز جنگ بہادر "مشمولہ کلیات نثر حالی" جلد دوم محولہ بالا، ص ۶۹۵

۲۶۔ الطاف حسین حالی، ص ۹۷۔۱۹۶

۲۷۔ مولانا الطاف حسین حالی، ایضا ص ۱۹۶

۲۸۔ ایضا، ص ۳۳۰ ۲۹۔ ایضا، ص ۳۳۳

۳۰۔ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی، محولہ بالا، ص ۲۹۰

۳۱۔ مولانا الطاف حسین حالی ایضاً، ص ۳۴۱

۳۲۔ ایضاً، ص ۲۴۴ ۳۳۔ ایضاً، ص ۳۴۷

۳۴۔ ایضاً، ص ۳۵۰ ۳۵۔ ایضاً

۳۶۔ ایضاً، ص ۳۴۱ ۳۷۔ ایضاً، ص ۳۴۴

۳۸۔ ایضاً، ص ۳۴۶

۳۹۔ شیخ محمد اسماعیل محولہ بالا ص ۳۴۷

۴۰۔ ایضا، ص ۴۸۔۳۴۷

۴۱۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، محولہ بالا، ص ۹۷۳

۴۲۔ ایضاً، ص ۹۷